باب دوم

فطرت سے متعلق اقبال کے زاویۂ نگاہ کی فکری بنیادیں

فطرت سے محبت ہر اس انسان کی طبیعت کا حصہ ہوتی ہے جس کا ذوق بلند، جس کی حس تیز اور جس کے جذبات و احساسات نازک ہوتے ہیں۔ ایک شاعر چونکہ فطرتاً حساس ہوتا ہے، لہٰذا اس کا فکر نہایت ہی نازک خیالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ وہ فطرت کے ہر ذرّے کو باریکی سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اقبال کی شاعرانہ نازک خیالی کا گزشتہ باب میں ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہاں یہ نکتہ ہے کہ وہ بنیادیں کیا ہیں جو فطرت سے متعلق اقبال کے کلام کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

فطرت سے اقبال کو والہانہ الفت اور شیفتگی ہے۔ اس کا اظہار مختلف طرح کی پابندیوں کے ساتھ نفس اور ذہن کی مسلسل کشمکش کی صورت میں ان ساری نظموں میں ہوا ہے، جن میں اقبال فطرت کا مصور اور ترجمان بن کر آیا ہے، یا ان سے مخاطب ہے۔ اس کے لئے یہ فیصلہ مشکل ہے کہ فطرت کا سکون بہتر ہے یا اس کا اضطراب۔ مناظرِ فطرت کی نظمیں مجموعی حیثیت سے اقبال کے احساس اور فکر کی اس کشمکش کی آئینہ دار ہیں۔ فطرت پسند نظموں میں یہ کشمکش ایک نظم میں یہاں ختم ہو جاتی ہے اور شاعر کا احساس اس کی فکر پر غالب آ کر اس کی زبان

سے اس کے دل کی بات کہلوادیتا ہے۔ باقی ساری نظموں میں تخیل کا رنگین پردہ تشبیہیں، استعارے، حسین و جمیل ترکیبیں اور کسی حد تک فکر کی ندرت یہ ساری چیزیں اصل جذبے کو دبائے رکھتی ہیں لیکن آخر دل کی صحیح حالت بہرحال سامنے آتی ہے۔ شاعر ایک آرزو میں پکارا اٹھتا ہے۔

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

اس حالت میں دنیا کی کہما گہمی اس کے لئے بوجھل روح ہے اور وہ سکون کی تلاش میں ہے۔ اسے فطرت کی سادگی اپنی طرف کھینچتی ہے اور اسکی آرزو کا مرکز دامن کوہ کا ایک چھوٹا سا جھونپڑا بن جاتا ہے۔ اس چھوٹے سے جھونپڑے کے تصور ہی سے اس کا غم ہلکا ہوجاتا ہے۔ وہ تصورات کی دنیا میں یوں کھو جاتا ہے۔

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

اس کے بعد کئی اشعار میں شاعر اس زندگی کے مناظر کا تصور بڑی دلچسپی سے کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے حسن سادہ میں جذب کردینا چاہتا ہے۔

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید انکی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے انکو کٹیا مری دکھا دے

جب آسمان پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

ایک آرزو اقبال کی شاعری کے پہلے دور میں انکی جذباتی کیفیت کی سب سے زیادہ نمائندگی کرتی ہے۔

پہلی بنیاد جو فکر اقبال کی تعمیر و تشکیل میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ قرآن مجید کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ اس میں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اقبال کے فکر و فلسفہ کا مرکز و محور قرآن ہے۔ اسی کتاب کے سرچشمہ سے انہوں نے اپنے جذبات اور تصورات سیراب کئے۔ قرآن کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کی۔ ان کی پرورش حقیقت میں ایک ایسے ماحول میں ہوئی جس پر مذہب کا گہرا اثر تھا بزرگوں اور فقیروں سے عقیدت تھی۔ اولیاء اللہ سے گہرا تعلق تھا۔ چنانچہ اقبال نے کتاب اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے فکر و فلسفہ کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے بچپن میں اقبال کو میر حسن جیسا لائق و فائق استاد ملا، جس نے اقبال کی تربیت مذہبی بنیادوں پر کی اور اس کے دل و دماغ پر قرآن کا نقش ثبت کر دیا۔ قرآن سے عقیدت میں ماحول اور تربیت کے ساتھ ساتھ انکی اپنی طبیعت کے جھکاؤ کا عمل دخل بھی شامل ہیں۔ علامہ خود فرماتے ہیں:

جب میں ایف۔ اے میں پڑھتا تھا تو صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ والد صاحب مسجد سے نماز پڑھ کر آتے تو کبھی منزل ختم کر چکا ہوتا، کبھی جاری ہوتی۔ ایک دن آکر

پوچھتے ہیں کہ کیا پڑھتے تھے ۔ مجھے حیرت بھی ہوئی اور
غصہ بھی آگیا ۔ چھ مہینے ہوگئے اور ہر روز دیکھتے ہیں کہ
قرآن کریم پڑھتا ہوں پھر یہ سوال کیسا ؟ نہایت نرمی سے
فرمایا : میں پوچھتا ہوں کہ کچھ سمجھ بھی آتا ہے ۔ اب میرا
استعجاب اور غصہ جاتا رہا اور کہا ۔ عربی جانتا ہوں اور کہیں
کہیں سمجھ میں آجاتا ہے ۔ بات ختم ہوگئی ۔ کوئی چھ ماہ
بعد ایک دن بیٹھ گئے اور فرمایا ۔ بیٹا قرآن کریم اسکی سمجھ میں
آسکتا ہے جس پر یہ نازل ہوتا ہے ۔[1]

شاید اسی واقعہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے بعد میں فرمایا :

ترے وجود پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف[2]

قرآن کائنات اور فطرت کے مطالعے کی دعوت دیتا ہے ۔ مطالعے xxxxxxxxxxxxxxxx
کائنات کے اس نظریے کو اقبال نے بے حد پسند کیا ہے ۔ اپنے اشعار میں اسی نقطہ نگاہ
سے بات کرتے ہوئے اقبال یہ سمجھاتا ہے کہ کائنات ابھی تخلیق ہو رہی ہے ۔ اس
لیے کہ مسلسل کن فیکون کی آواز آرہی ہے ۔ اس تخلیق کے پیچھے ایک بہت بڑے
دانا و بینا کا ہاتھ ہے اور جس کی توحید کی طرف اقبال ہماری توجہ مبذول کرتا ہے ۔

1۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ــــ اقبال اور قرآن ــــ ص 10 ــــ مطبوعہ اقبال اکاڈمی پاکستان
2۔ اقبال ــــ کلیات اقبال ص ۳۷۰ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا [1]

جہاں تک قرآن مجید میں مطالعۂ فطرت کا تعلق ہے ۔ اس سلسلے میں یہ بات ہمارے سامنے واضح ہے کہ قرآن نے کائنات کے مطالعہ کو عبادت کا درجہ دیا ہے اس مطالعے میں اسکی تخلیق اور وجود میں آنے کے مقاصد شامل ہیں ۔

انّ فی خلق السّمٰوٰت والارض و اختلاف الیل و النہار لآیٰت لاولی الالباب ۔
بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کی گردش میں
نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے [2]

یہاں فقط آسمان ، زمین اور گردش لیل و نہار کا ذکر کیا گیا ۔ جس سے ہمارے سامنے فطرت کے یہ اہم مظاہر آگئے اور جو لوگ انکی تخلیق پر غور و تدبر کرتے ہیں وہ صاحب عقل کہلاتے ہیں ۔ قرآن نے جسمانی اور مالی عبادات میں سے نماز ، روزہ زکوٰۃ اور حج کو اہم فرائض کے طور پیش کیا ہے ، لیکن ان فرائض کے سلسلے میں قرآن مجید میں ڈیڑھ سو مقامات پر ذکر ہوا جبکہ کائنات کے مطالعے ، فطرت کے مناظر اور فطرت سے وابستہ رنگا رنگیوں کا ذکر سات سو سے زائد آیات میں ملتا ہے ۔

اقبال فطرت کو قرآن کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ قرآن سے حقیقی عقیدت کے نتیجے میں کائنات کے اسرار ان پر کھل گئے ۔ عالم بسیط کی تمام سردوریاں اور پنہانیاں صاف صاف نظر آنے لگیں اور یہ نکتہ بالکل واضح ہوگیا کہ یہ کائنات انسان کے لئے

---

1 اقبال ۔ کلیات اقبال ص ۲۱۲ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی
2 قرآن آیت نمبر ۱۹۰ سورہ بقرہ

ہی پیدا کی گئی ہے ۔مولانا صلاح الدین احمد نے بڑی دلچسپ بات لکھی ہے

"روس اور اقبال ایک نہایت بلند اور ممتاز مقام رکھتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں اکابر تلامذۂ رحمن ہیں پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ نور حق اپنا جلوہ دکھاتا اور اپنے نہاں خانہ ہائے سینہ کو اسکی شعاعوں کی تنویر سے محروم رکھتے ۔ جس طرح کوئی طفلِ معصوم چاندنی رات میں اپنی ماں کی گود سے جھکتا اور کشش ماہ سے مجبور ہوکر چاندنی کی طرف لپکتا ہے اسی طرح شاعر کا دل بھی آفتاب کے پردے میں اس نور السمٰوات والارض کے پرتو سے مجبور ہوکر اسکی طرف بے محابا کھینچتا اور اس حقیقت کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ اپنی ذات کا شعور اپنے دل کا اجالا اور سرچشمۂ نور میں پروانہ وار گم ہوجانے کی تمنا ہی درحقیقت وہ معراج علم و عرفان ہے جو فطرت بہت کم خوش نصیبوں کو ارزانی کرتی اور بہت کم تلامذہ کی رسائی میں لاتی ہے"[1]

اقبال نے یہ نکتہ اپنی ایک نظم شیکسپیئر میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے :

تجھکو جب دیدۂ دیدار طلب نے ڈھونڈا
تاب خورشید میں خورشید کو پنہاں دیکھا
چشم عالم سے تو ہستی رہی مستور تری
اور عالم کو تری آنکھ نے عریاں دیکھا

---

[1] صلاح الدین احمد ــــ تصورات اقبال ــــ ص 344 ایڈیشن 1974ء
ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڑھ

اقبال جب اپنے کلام میں سورج ، چاند یا ستاروں کا ذکر کرتے ہیں تو اس تذکرے کی پشت پر قرآنی حقائق کارفرما ہوتے ہیں۔ اس نکتے کو واضح کرتے ہوئے صلاح الدین احمد ایک دوسرے موقعہ پر یوں رقمطراز ہیں :

"اقبال کے ہاں جستجوئے حقیقت اور اس کے منطقی لوازمے اکتسابِ نور کے مراحل ایک دوسرے کا تعاقب کئے چلے جاتے ہیں اور جوں جوں شاعر کی جستجو کی سطح بلند ہوتی جاتی ہے اس کا افقِ عرفان بھی برابر کشادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ ایک مرحلے پر اپنے دل کو قمر سے تشبیہہ دیتے ہیں ، اس لئے کہ پرتو نور کی اکتسابی کیفیت میں دونوں ہم نصیب ہیں۔

یہ چاند آسمان کا شاعر کا دل ہے گویا

واں چاندنی ہے جو کچھ یہاں درد کی کسک ہے

اور درد کی کسک یا ترفیع جذبات عالیہ کے پرتو نورِ ازل ہی کا ایک کرشمہ قرار دے کر اقبال نے ہمارے لیے ایوانِ معانی کے چند اور در کھول دیئے ہیں اور علم اشیا، معرفت نفس ، احساس جمال اور ادراک حقیقت کے خزائن کے علاوہ فتوحات نور میں ارتفاعِ جذبات کا اضافہ بھی کردیا ہے اور حق یہ ہے کہ تلمیحات انسانی کے حقائق میں یہ ایک نادر و نایاب اضافہ ہے"[1]

---

1. صلاح الدین احمد ــ تصورات اقبال ــ ص 385 ـ 386
ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔

اقبال کی فکری بنیادوں میں مغرب کے رومانوی شعراء کا گہرا عمل دخل رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رومانوی شعراء اوردیگر انگریزی شعراء حضرات فطرت کے نہ صرف مداح گزرے ہیں بلکہ ان میں کئی کے یہاں فطرت کی پرستش کا عنصر بھی ملتا ہے وہ فطرت کے حسن کے شیدائی ہیں۔ فطرت کا حسن ان کو اپنے اندر جذب اور تحلیل کرلیتا ہے۔ابتداء میں اقبال بھی فطرت کے حسن کے محض پرستار نظر آتے ہیں لیکن جوں جوں انکی شاعرانہ بصیرت اورفکری ذہانت کا ارتقاء ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ فطرت کے حسن میں بھی زندگی کی بعض پراسرار حقیقتوں کی جستجو کرتے ہیں۔خود فطرت کے حسن میں انؔ کی دلچسپی آگے چل کر کم ہوجاتی ہے اورفطرت کے یہی مادّی عنصر انکی شاعری میں زندگی کے ٹھوس حقائق کی تشریح کے سلسلے میں اپنی ایک علامتی اوراستعاراتی معنویت اختیار کرلیتے ہیں۔

جو چیز ابتدا سے لے کرآخر تک اقبال کی تخلیقی زندگی میں حسن فطرت کے ایک لازمی عنصر کے طور پرموجود رہی وہ انکی رومانیت اوربعض علایم ہیں جو قاری کو اکثر تذبذب میں ڈال دیتے ہیں کہ اقبال بحیثیت شاعراصلاً کس مسلک پرکاربند رہے ہیں۔اقبال کے اس رومانی احساس کا تعلق انکی شخصیت سے بھی ہے اور اس پرگداز دل سے بھی جو ساری زندگی انسانیت کی نجات اورسربلندی کے گرد گردش کرتا رہا۔اس مرحلہ پراسے بار بار اس تکلیف دہ تجربہ کا سامنا کرنا پڑا جو کہ عظیم فنکاروں کامقدر ہوتا ہے۔ان مراحل سے گزرنے کےلئے رومانیت اقبال کےلئے ایک زاد سفر بھی بنی بالاآخر تسکین کا ذریعہ بھی۔البتہ یہ ضرور ہے

کہ رومانیت انکی شاعری میں اگر کہیں شبنم ہے تو کہیں شرارہ ہے ۔ اقبال نے اپنی زندگی میں کسی بھی منزل یا مرحلے پر رومانی مسلک کو اس طور پر اختیار نہیں کیا ہے جس کی مثالیں یورپ کے رومانی شعراء وارڈس ورتھ ، بائرن ، کیٹس اور شیلی وغیرہ کی ذات میں ملتی ہیں ۔ یہ رومانیت جرمنی کے شاعر گوئٹے کی رومانیت کے مانند ہے ۔ عقلیت کے خلاف احتجاج بھی نہیں ہے بلکہ اس میں قدم قدم پر زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کا شعور نظر آتا ہے ۔

اقبال پر رومانوی شعراء کے اثرات شروع میں ہی گہرے طور مرتب رہے چنانچہ رومانوی شاعری عالم فطرت میں اسکی غیر معمولی دلچسپی کے لئے ممتاز ہے ۔ شاید کسی بھی دوسرے عہد نے مظاہر فطرت کو ایسے نہیں چاہا ، اس کا مشاہدہ نہیں کیا ، اس کی مختلف صورتوں کو نہیں دیکھا جیسا کہ انیسویں صدی میں ہوا جو رومانیت کا زمانہ تھا ۔ وہ دور جب انگریزی شاعری اس براعظم میں متعارف ہوئی ، خصوصاً انگریزی رومانوی شعراء جن کے جذبۂ فطرت نے پڑھنے والوں کے دل موہ لیے ، مشرقی مزاج کو بھی رومانی فطرت کے مناظر اور مظاہر سے منور کرتی ہے ۔ تاریخی شواہد سے یہ بات عیاں ہے کہ کس طرح اقبال کو زمانہ طالب علمی میں فطری شاعری اور انگریزی رومانوی شاعری نے متاثر کیا تھا ۔ بالخصوص وارڈس ورتھ اور شیلی نے ۔ اقبال نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طالب علمی کے عہد میں وارڈس ورتھ کی فطرت پسندانہ شاعری نے اسے دہریت اور الحاد سے بچا لیا ۔ وہ طلباء جو لاہور کے کالجوں میں اقبال سے تلمذ حاصل کر چکے ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شیلی کے

ساتھ انکی کتنی گہری وابستگی تھی ۔ ابتدائی شاعری میں جن انگریزی شعراء کی نظموں کے ترجمے ہمیں ملتے ہیں وہ اس طرح سے ہیں :

1) Nightingale and glow-worm by William Cowper

2) Day break by Longfellow

3) Love and Death by Tennyson

4) Mountain and squirrel by Emerson

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقبال نے اس قسم کی فطری شاعری اپنی شاعرانہ زندگی کے آغاز میں کی ہے ۔ اس دور میں فطرت اسے انسانیت کا متبادل نظر آتی ہے جس دنیا سے وہ مطمئن نہیں ۔ اس کا تصور انکی ایک نظم "ایک آرزو" میں یوں ملتا ہے ۔

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

اقبال نے ایمرسن کی ایک نظم کا عنوان "رخصت اے بزم جہاں" رکھا ہے ۔ ذیل کے اشعار میں وہ ذہنیت واضح ہوتی ہے جو وہ فطرت کی صحبت کو انسانی دنیا پر دیتا ہے ۔

بزم ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دل شاعر کو لیکن کنج تنہائی پسند
ہے جنوں مجھکو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں

رفتہ رفتہ اقبال انسانی دنیا کے ساتھ زیادہ منہمک ہوتا ہے اور فطرت کی طرف نسبتاً

کم توجہ کرتا ہے ۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ بعد کے ادوار میں اقبال کے یہاں فطری شاعری کم نظر آتی ہے ۔

اکثر رومانوی شعراء کے کلام میں مناظر فطرت کا یہاں مقامی رنگ و آہنگ رکھتا ہے ۔ وارڈس ورتھ کی پوری شاعری میں The Evening Walk سے لیکر Prelude تک اس بات کی شہادت فراہم ہوتی ہے کہ بے شک ورڈس ورتھ ابتدا میں فطرت کا عاشق تھا اور ہر معمولی ذرّے پر نگاہ دوڑاتا تھا جبکہ بعد کا وارڈس ورتھ مذہبی نظریہ ساز کی طرح علامتوں اور منظروں کو مقصد کیلئے استعمال کرتا ہے ۔ ایک آدمی شیلی کی نظموں میں مقامی رنگ کا فقدان محسوس کرتا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ اکثر منظری بیانات غیر حقیقی یا کشاں ہیں ۔ رومانوی شعراء کے یہاں مقامی رنگ گہرا اور پائیدار دکھائی دیتا ہے جبکہ اقبال کے یہاں یہ رنگ بڑی حد تک ناپید ہے ۔ ماسوائے چند نظموں کے جن میں ہمالہ ابر کنار راوی اور پیام مشرق کی نظم کشمیر جو مقامی آہنگ اور رنگ کی حامل نظر آتی ہے ۔

پیام مشرق میں "فصل بہار" اقبال کی فطری شاعری کی بہترین مثال ہے ۔ فصل بہار میں منظر فطرت کی خوبصورتی اور اسکی مدہوش کرنے والی دلکشی میں شاعر نے علامتی قدروں کے تمام ظہور ریز پر مناظر کا بغور جائزہ لیا ہے ۔ جب اس نظم کو پڑھتے ہیں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ کس طرح اقبال نے بلیک ، وارڈس ورتھ ، شیلے اور کیٹس جیسے رومانوی شعراء کے ساتھ اپنے نقطۂ نگاہ کو بانٹا ہے اور اسکی تکمیل کی ہے ۔ نظم کی آخری تین بند بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔ یہاں ایک بند پیش کیا جاتا ہے ۔

حجرہ نشینی گذار گوشہ صحرا گزیں

برلب جوئی نشیں ۔ آب رواں را بیبں

نرگس نازآفریں لخت دل آوردبیں

بوسہ زنش برجبیں

حجرہٴ نشینی گذار گوشہ صحرا گزیں 1

کشمیر جس کے ساتھ اقبال کی گہری وابستگی تھی ، یہاں کے مناظر کا کس خوبصورتی کے ساتھ ذکر کرتا ہے :

کوہ ہائے خنگ سار او نگر

آتشیں دست چنار او نگر

در بہاراں لعل می ریزد ز سنگ

خیزد از خاکش یکے طوفان رنگ

لکہ ہائے ابر در کوہ و دمن

پنبہ پراں از کمان پنبہ زن

کوہ و دریا و غروب آفتاب

من خدا را دیدم آنجا بے حجاب 2

اوپر کی سطور میں یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ رومانوی شعراء کے اثرات کا اقبال کی

---

1 اقبال — پیام مشرق ص ۳۳ ناشر کتب خانہ نذیریہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

2 اقبال — پیام مشرق ص ۸۰

اگر پڑا اور کتنا اثر تھا اور یہ اثر انکی شاعری میں کہاں کہاں پر واضح ہے ۔

اقبال انسان کی عظمت کا قائل ہے اور وہ مظاہر فطرت سے اس ٹکراؤ اور متصادم ہونے کی صلاحیت کا معترف ہے ۔ انسان دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ وہ اپنی بے شمار صلاحیتوں سے کام لیکر زندگی کو حسین سے حسین تر بناتا رہے ۔ تسخیر فطرت اور اس مقصد کیلئے مسلسل جدو جہد اسکی شخصیت کی وہ جو ہر ہیں جو اسے ہر دوسری مخلوق سے ممتاز کرتے ہیں ۔

انسان دنیا میں آتا ہے اور مظاہر فطرت سے متصادم ہوتا ہے ۔ اس تصادم میں وہ اپنی جفاکشی سے فطرت کی قوتوں پر قابو پاتا ہے اور دنیا کچھ سے کچھ بن جاتی ہے ۔ یہاں تک کہ انسان اس قابل بنتا ہے کہ وہ اپنے خالق کے سامنے اپنے کارناموں کا ذکر بڑی جرأت کے ساتھ کرتا ہے ۔ فطرت کے بارے میں انسان کے تصور کی توضیح اقبال نے ان اشعار میں کی ہے :

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم[1]

---

1. اقبال ـــ پیام مشرق ص ۱۳۳ ناشر کتب خانہ نذیریہ جامع مسجد دہلی

اقبال نے اپنے فن کو زندگی کے ساتھ مربوط کردیا ہے چنانچہ فن اورزندگی کا گہرا رابطہ ان کی اظہار کی راہیں متعین کرتا ہے اوران پرچل کر فن کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہرعہد میں فن کے ساتھ مختلف روایات وابستہ رہی ہیں اورہردور میں فن کا حسن و قبح بدلتا رہا ہے ۔فطرت کی بات کرتے وقت اقبال زندگی کا رشتہ فطرت کے ساتھ ایسے جوڑتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔

مظاہرفطرت اورانسانی محبت میں اقبال نے شروع سے جو فطری رشتہ قائم رکھا ہے اس نے ہردورمیں ان کے احساس تغزل کو رنگین بنایا ہے لیکن شاعری کے تیسرے دور میں یہ رنگ بھی دوسری چیزوں کی طرح پختہ ترہوا ہے ۔جواب شکوہ کا یہ شعر:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

فطرت اورمحبت کا یہی ازلی تعلق شاعرکے فکر اوراس کے اظہارکو ایسی تشبیہوں کے قریب لے جاتا ہے جو فطرت کی آغوش کی پروردہ ہیں ۔ان تشبیہوں میں خیال تو وہ نہیں جو غزل کی روایت سے مخصوص ہے لیکن انداز بیاں کی نرمی اورشیرینی میں تغزل کی اثرانگیزی کوٹ کوٹ کربھری ہے ۔"گورستان شاہی" کے یہ دو شعر صحیح عکاسی کرتے ہیں :

ہے رگِ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں ہے الجھی ہوئی
سینۂ دریا شعاعوں کےلئے گہوارہ ہے
کس قدر پیارا لبِ جو مہر کا نظارا ہے

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں تصور کی نادرہ کاری اور دوسرے شعر میں جذبے کی خلوص اور سادگی میں حسن صاف جلوہ فگن ہے ۔ اسی طرح السلۂ کوہ کے یہ دو شعر قابل توجہ ہیں :

آتی ہے ندی جبینِ کوہ سے گاتی ہوئی
آسماں کے طائروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی
آئینہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں پر یہ ہوجاتا ہے چور

حسن فطرت کے متعلق اقبال جب کچھ کہتا ہے تو تغزل کے پورے رنگ میں ڈوب کر کہتا ہے ۔ ذیل کے اشعار میں دلکش مرقعوں کا ایک دفتر نظر آتا ہے

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردۂ وجود
دل کےلئے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

سورج بنتا ہے تار زر سے
دنیا کے لئے ردائے نوری
عالم ہے خموش و مست گویا
ہر شے کو نصیب ہے حضوری
دریا، کہسار، چاند تارے
کیا جانیں فراق و ناصبوری

اقبال نے مختلف مکاتب فکر و نظر سے استفادہ کیا تھا، چنانچہ فطرت کے متعلق ان کے روئیے پر ان نظریات و افکار کا گہرا اثر موجود ہے۔ قرآن کریم ہو یا انگریزی شاعری فارسی شاعری ہو یا اردو کی کلاسیکی شاعری اقبال نے ان کے مطالعے سے جو اثر قبول کیا وہ انکی اپنی شاعری میں واضح صورتوں میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ فطرت کو وہ زندگی سے باہم مربوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ وسیع و عریض کائنات ایک بہت بڑے مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ اسکی تخلیق کے پیچھے جو مقاصد کارفرما ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ انسان مظاہر فطرت پر تسخیر حاصل کرے یہ دنیا انسان کے لئے

پنی ہے اور انسان کو دنیا کے لئے نہیں بنایا گیا ہے ۔ وہ فطرت کی تعریف اور توصیف اس لئے کرتا ہے کہ فطرتؔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اسکی تخلیق کے مظاہر میں سے ایک اظہار ہے ۔ اور توصیف و تعریف فطرت دراصل اقبال کے خیال میں تعریف خدا ہی ہے ۔ اپنے اردو اور فارسی کلام میں اقبال بار بار فطرت کو دیکھنے اور اس پر غور کرنے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ترغیب دیتا ہے اور یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ انسان کو دراصل فطرت کے تمام مظاہر پر غالب آنا چاہئیے ۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں[1]

اقبال عالم فطرت کو متبرک اور بلند مقاصد اور انسان کے ذریعے اس کے مشاہدے کو خدا کی عبادت سمجھتا ہے ۔
"Reconstruction of Religious Thought in Islam"
میں وہ لکھتے ہیں :

" **Nature is to the Divine self as character is to the humans^lf. In the picturesque phrase of the Quran it is the h^bit of Allah .... thus the view that we have** taken gives a fresh spiritual meaning of physical science. The knowledge of Nature is the Knowledge of God's behaviour. In our observation of Nature we are virtually seeking a kind of intimacy with the absolute ego; and **This is only** another **form** of **worship**".

---

[1] اقبال — کلیاتِ اقبال ص ۲۲۴ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

مطلب یہ کہ فطرت سنت اللہ ہے ۔ قرآن نے اسی لئے آیت کی اصطلاح کو نشانی کے طور پر فطری کیفیت کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور اس بات پر کافی زور دیا ہے کہ انسان ان آیات پر غور و فکر کرے ۔ اقبال یقین رکھتا تھا کہ تجرباتی سائنس پر قرآن کا یقین ہے ۔ اس لئے کہ قرآن مطالعہ اور فطرت کے مشاہدے پر زور دیتا ہے ۔

اقبال کا نقطۂ نگاہ فطرت کے متعلق نہ ہی جذباتی ہے اور نہ ہی محض دانشوارانہ ہے ۔ یہ دونوں دراصل آپس میں اتفاقی طور سے ملے ہوئے ہیں ۔ وہ فطرت سے لگاؤ کے متعلق اتنا نہیں کہنا جتنا وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان کے ذریعے اپنی تشبیہاتی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کا استعمال ہو ۔ ان کی فطری شاعری اور ان کی فلسفیانہ تحریریں بنیادی طور پر انسان کے فائدے کے لئے مادی فطرت کا تسلط قائم کرنے کے لئے دعویٰ کرتی ہیں ۔ فطرت کا تسلط قائم کرنے کے لئے ان کا خیال تاہم یہ ہے کہ صاف طور پر اس کا امتیاز فطرت سے پوری طرح استفادہ حاصل کرکے نئے تقاضوں کے مطابق مادہ پرست تہذیب کی ذریعے ہونا چاہئیے ۔ ان کی اندھا دھند گہری دلچسپی بہتر بن مادی دنیا کے لئے ہے ۔ نئے نظریات رکھنے والا انسان عام فطرت کی صلاحیتوں کا غلط استعمال کرتا ہے اور تمام کائینات کی بے عزتی کرتا ہے جبکہ کبھی واضح طور پر رب الہیٰ کو مقدس جاننے کے لئے مشعور ہوا ۔ وہ اس طرح نہ صرف فطرت کی خوبصورتی کو ضائع اور پاکیزگی کو ناپاک کرتا ہے بلکہ انسانی دنیا کو بھی زیادہ سے زیادہ شکست خوردہ اور غیر سنجیدہ بناتا ہے ۔ اس کی دلکشی اور اثر قبول نہ کرنے والے

مطالب کو وہ اپنے اندر چھپاتا ہے ۔

اقبال کی آنکھ ہمیشہ شیدا رہتی ۔ جس کی ازلی اور ابدی خوبصورتی خود بخود فطرت کے عجیب و غریب رنگ بھرے اور دلکش نظاروں سے صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے یہ خیال ان کی ساری فطری شاعری میں شروع سے آخر تک جاری و ساری ہے ۔